

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پسند فرمودہ

مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم

ناشر: مجلس المعارف، کاپودرا، بھروچ، گجرات

نوجوان علماء کے نام

ایک عظیم داعی کا پیغام

[ہند میں سرمایہ ملت کی نگہبانی اور برہمنی تہذیبی یلغار سے یہاں کے مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت کا کام توفیق الہی نے جن علماء سے لیا، ان میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست ہے۔ ذیل میں ان کی وہ تقریر پیش کی جارہی ہے جو انہوں نے ۲۴ رفروری ۱۹۸۹ء کو دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فارغ ہونے والے طلباء کے الوداعی جلسے میں کی تھی۔ خدا کرے کہ زیادہ سے زیادہ علماء وطلبہ تک یہ خطاب پہونچ جائے، اور وہ اس کے پیغام کو اپنے دل و دماغ میں بسالیں]

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

میرے رفقائے کار اساتذۂ دارالعلوم، برادرانِ عزیز، اور فرزندانِ عزیز!

اب میں مختصر وقت میں چند ضروری اور وداعی باتیں کرنا چاہتا ہوں، یوں تو وقت کا کوئی اعتبار نہیں، لیکن چونکہ یہ الوداعی جلسہ ہے، اس لیے آپ سے میں وہی باتیں کروں گا جو میرے اپنے عقیدے اور اپنے تجربے اور مطالعے کے لحاظ سے ہیں، اور میں جن کو آپ کے لیے مفید سمجھتا ہوں، آپ کی محبت، آپ کے میرے اوپر حق کے سوا کوئی دوسرا محرک نہیں ہے۔

چار محاذ

اب میں آپ سے چار باتیں عرض کروں گا جو حالاتِ حاضرہ سے متعلق ہوں گی، اور چار باتیں آپ کی ذات سے متعلق عرض کروں گا۔

حالاتِ حاضرہ سے متعلق چار باتوں میں سے پہلی بات جو اگرچہ بہت بڑی ہے اور میری حقیقت اور حیثیت سے بلند ہے، مگر اس کے ذکر میں برکت اور حلاوت ہے، ایک مرتبہ حضرت

عمر فاروق ؓ چند چیدہ اور برگزیدہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی مخصوص جماعت میں تشریف فرما تھے.
حضرت عمر ؓ کو ایسا محسوس ہوا کہ یہ میرے لیے دعا کا وقت ہے، اور ان کی طبیعت میں وہ تقاضا پیدا ہوا جو عارفین میں پیدا ہوا کرتا ہے، اور وہ تو سب عارفین سے بڑھ کر عارف تھے، انھوں نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے فرمایا کہ آپ سب آزاد ہیں، اپنے لیے دعا کریں اور منہ مانگی مراد مانگیں، تو کسی نے کہا کہ: اے اللہ! اپنے راستے میں نکلنے کی توفیق دے کہ یہ دولت تیرے راستے میں لٹا دوں، اور تیرے بندوں کی خدمت کروں، کسی نے کہا کہ اے اللہ! اپنے راستے میں نکلنے کی توفیق دے کہ میں جہاد کر کے اپنا سر کٹاؤں اور تیرے راستے میں اپنا خون بہاؤں، اسی طرح تمام صحابۂ کرام ؓ کی دعائیں منقول ہیں۔ جب حضرت عمر ؓ کی باری آئی تو انہوں نے فرمایا کہ میری دعا ہے کہ میرے پاس ابوعبیدہ، سعد بن ابی وقاص، طلحہ، خالد (رضی اللہ عنہم) ہوں، اس کے علاوہ اور کئی نام لیے۔ بہر حال یہ سب وہ لوگ تھے جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی فتوحات مقدر کی تھیں اور بڑے بڑے کارنامے تقدیر میں لکھے تھے۔ اور کہا: ان میں سے کسی کو کسی محاذ پر اور کسی کو کسی محاذ پر بھیجوں اور ساری دنیا میں ان کے ذریعہ اسلام کا پرچم لہرادوں، اور پوری دنیا اسلام کے زیرنگیں ہو۔

آج سے پہلے اسلام کے مستقبل کے فیصلہ کن محاذ اتنے متعین اور واضح نہیں تھے، ان پر کہرا تھا، کچھ ایسی تاریکیاں تھیں کہ اس وقت متعین کر کے یہ کہنا مشکل تھا کہ یہ چار محاذ ہیں جن کے ذریعہ اسلام اور ملت اسلامیہ ہندیہ کے مستقبل کا فیصلہ ہوتا ہے، اور اپنے عقیدہ، اپنے پیغام اور اپنے تشخص کے ساتھ باقی رہ سکتی ہے یا نہیں؟ تو میرا مطالعہ ہے کہ آج سے چند سال پہلے اور خاص طور پر ۱۹۴۷ء سے پہلے یہ محاذ متعین اور واضح نہیں تھے لیکن اس میں سیاسی تبدیلیوں، انقلابِ سلطنت اور اسلام کے خلاف موجودہ مہم اور علمی تجربوں نے اس کو بالکل ایک حقیقت بنا دیا ہے، انہی چار محاذوں کا ذکر آپ سے کروں گا جن کے لیے بلند عزائم سپاہیوں، اور دینی درسگاہ کے فضلاء، اور دینی تعلیم کے تربیت یافتہ علماء اور مخلصین کی ضرورت ہے، اور ان کے لیے اس سے بڑی سعادت

نہیں ہو سکتی کہ وہ ان محاذوں میں اپنی صلاحیتوں، اپنی توانائیوں اور سرگرمیوں کا اظہار کریں۔

نئی نسل کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت

ان میں سب سے بڑا محاذ یہ ہے کہ ہماری ملّتِ اسلامیہ کی آئندہ نسل مسلمان رہ جائے، اور وہ صرف ذہنی، فکری، تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے نہیں، بلکہ اعتقادی ارتداد سے بچ سکے۔ اس وقت سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ جو لوگ ہمارے مدارس سے فارغ ہوں، وہ اس محاذ کو سنبھالیں، اس محاذ کا چارج لیں، اور اپنے کو اس محاذ کے لیے وقف کر دیں، اور یہ کوشش کریں کہ مسلمانوں کی آئندہ نسل جو ابھی آٹھ دس برس کے بچے یا بارہ پندرہ برس کے نوجوان کی شکل میں ہیں اسلام کی اصولی، فقہی اور کلامی تعریف پر صادق ہوں، اس کے لیے ضرورت ہے اس بات کی کہ قصبے قصبے، شہر شہر اور گاؤں گاؤں مدارس ومکاتب اور مساجد کی بنیاد ڈالی جائے، اور جہاں ایسا ممکن ہو وہاں صباحی ومسائی درجات ہوں، اور جو لوگ جدید تعلیم یافتہ ہیں، اور اپنے بچوں کو سرکاری اسکولوں میں بھیجنے کے لیے مجبور ہیں، ان کو غذا پہنچائیں، اگر ان کو ابھی سے بچانے کی کوشش نہیں کی گئی تو ڈر ہے کہ اس نوخیز نسل کو آگے چل کر کلامی اور فقہی اعتبار سے بھی مسلمان کہنا صحیح ہوگا یا نہیں؟ وہ توحید وشرک اور کفر وایمان کا فرق کر سکے گی یا نہیں؟ رسالت، منصب رسالت اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبی آخر الزماں اور آپؐ کی شفاعت کو مانے گی یا نہیں؟

(اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ) اور (وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ) پر اس کا ایمان ہوگا یا نہیں؟

آپ کے بلند عزائم اور بلند خیالات، آپ کے مطالعے اور پختہ صلاحیتوں پر ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں، اور اس پر آپ کو مبارک باد دیتے ہیں، لیکن اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ کون کس محاذ کو سنبھالتا ہے، آپ ابھی سے نیت کیجیے کہ ہم اس خطرناک اور نازک محاذ کے لیے سینہ سپر رہیں گے، پھر اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا، اور اسباب مہیا کرے گا، اور آئندہ نسل جو ہماری اور آپ کی اولاد

ہوگی، اس کو مسلمان رکھنے کے لیے جو بھی کوشش کی جاسکے کی جائے، جو ہاتھ پیر مارے جاسکیں مارے جائیں، اور جو آبِ دیدہ وخونِ جگر بہایا جاسکے بہایا جائے، یہ سب سے بڑا محاذ ہے۔

امت اسلامیہ کے ملی تشخص کی حفاظت

دوسرا محاذ یہ ہے کہ ملت اسلامیہ اپنے ملی تشخص کے ساتھ باقی رہے، یعنی اپنے عائلی قانون، قرآن مجید کے نصوص قطعیہ اور احکام قطعیہ، نکاح وطلاق کے احکام، ترکہ وتعلقات کے احکام پر عمل کر سکے، اگر وہ اس پر عمل نہ کر سکے تو بعض وقت وہ ناجائز اور حرام ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾ (سورة النساء، پ ۵)

(بے شک اُن لوگوں کی جان جنھوں نے اپنے اُوپر ظلم کر رکھا ہے، (جب) فرشتے قبض کرتے ہیں تو اُن سے کہیں گے کہ تم کس کام میں تھے، وہ بولیں گے اس ملک میں بے بس تھے، فرشتے کہیں گے کہ اللہ کی سرزمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ تو یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور وہ بری جگہ ہے۔)

بہت سخت الفاظ ہیں، اگر خدانخواستہ یہ وقت آگیا کہ مسلمان یہاں نماز تو پڑھ سکے، کلمہ تو پڑھ سکے، قرآن شریف کی تلاوت کر سکے، لیکن وہ قرآن مجید کے عائلی احکام پر عمل نہ کر سکے، پھر اس وقت علماء کو یہ سوچنا پڑے گا کہ وہ ہجرت کا فتویٰ دیں، خدا کرے وہ وقت نہ آئے، ہم اس زمین پر اپنا حق سمجھتے ہیں، یہاں کے اہلِ بصیرت، عارفین، مُلْهَم مِنَ اللہ اور اپنے عہد کے مخلص ترین بندوں نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اس ملک سے اسلام مٹنے والا نہیں ہے، اور اس ملک کی قسمت میں اسلام لکھ دیا گیا ہے، اور تقدیر الٰہی کا فیصلہ ہے کہ اسلام اس ملک میں رہے، اسلام اس کی قیادت بھی کر سکتا ہے اور بچا بھی سکتا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پھر دوبارہ اس کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ آجائے، اس لیے ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہیں، مگر ہمیں واقعات وحقائق کو دیکھ کر اپنی کوششوں کا رخ متعین کرنا چاہیے، کیوں کہ مسلمانوں کا ملی تشخص روز بروز

خطرے میں پڑتا جارہا ہے، اس کی بے حد ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شاہ بانو کیس سے گویا ایک غیبی مدد فرمائی ہے جس نے سارے مسلمانوں میں اس خطرے کے احساس کو پیدا کر دیا تھا۔ جس کے لیے ایک مہم چلائی گئی اور وہ ایک مرحلہ پر کامیاب ہوئی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمہوری اور اجتماعی طریقہ پر اتحاد اور اتفاق کے ساتھ اور خلوص کے ساتھ جو مہم چلائی جائے وہ ضرور کامیاب ہوگی، حالانکہ فیصلہ سے پہلے یہ پیشین گوئی کرنا بہت مشکل تھا کہ مسلمانوں کے حق میں فیصلہ ہوگا یا نہیں، اور ان کا مطالبہ پورا ہوگا یا نہیں؟ لیکن اللہ کے چند مخلص بندوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی سے، قرآن مجید کی روشنی اور تاریخ کے تجربے میں صحیح طریقہ اختیار کیا تو انہیں کامیابی ہوئی۔

پیام انسانیت

تیسرا محاذ پیام انسانیت کا ہے، ہم اس ملک میں اس طرح رہیں کہ اپنے دین کو باقی رکھنے کے لیے بھی، اپنے دین پر عمل کرنے کے لیے، اپنے اداروں اور مرکزوں کو محفوظ رکھنے کے لیے بھی، دعوت کا کام کرنے کے لیے بھی، تعلیم و تالیف کا کام انجام دینے کے لیے بھی، بامقصد اور باعزت زندگی گزارنے کے لیے، اپنے مخصوص عقائد کے ساتھ، اپنے پیغام و مقام کے ساتھ اس ملک میں زندگی گزار سکیں، اس کے لیے ضرورت ہے کہ فضا معتدل ہو، مشتعل اور آتش گیر نہ ہو، ورنہ کسی وقت بھی ساری کوششوں پر پانی پھر سکتا ہے۔ بہت کم لوگ اس کی ضرورت و اہمیت کو محسوس کرتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ چند آدمیوں کے ذہن کی اپج ہے، یا ان کا ذاتی رجحان ہے، جو کسی وجہ سے پیدا ہوگیا ہے۔

آپ یقین مانیے کہ حالات کے حقیقت پسندانہ اور علمی مطالعہ نے میری رہنمائی کی ہے، ہم جیسے اور رفقاء کو اسی مطالعہ نے مجبور کیا کہ وہ کوشش کریں، حالانکہ اس کوشش کا تناسب واقعات کے لحاظ سے کچھ بھی نہیں، اگر چہ یہ وہ مجمع نہیں ہے جس کے سامنے کہنے سے یہ سمجھوں کہ

بات تحریک کی شکل اختیار کرے گی، لیکن کیا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے وہ کام لے لے، لہٰذا آپ اس کو بھی یاد رکھیے، اور باہمی اعتماد، ایک دوسرے کا احترام ہمارے اندر پیدا ہونا چاہیے۔

اسپین کا المیہ جو پیش آیا، اس پر بہت سی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، اس میں ایک بات بہت نازک یہ ہے کہ وہاں علوم دینیہ کی بھی خدمت کی گئی، اور وہاں خدا تک پہنچنے کے لیے ایسے ایسے مجاہدے ہوئے جن سے چوٹی کے اولیاء پیدا ہوئے۔ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہدیا ہے کہ مشرق اگر انبیاء کی سرزمین ہے تو مغرب اولیاء کی سرزمین ہے، شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ جیسے جلیل القدر مشائخ پیدا ہوئے، اسی طریقہ سے فنونِ لطیفہ کو بھی وہاں بہت ترقی ہوئی، اندلس کا ایک مستقل ادبی دبستان ہے، اس کو اَلْمَدْرَسَةُ الْاَنْدُلُسِیَّة کہتے ہیں، اسی طرح چوٹی کے مصنفین پیدا ہوئے، 'موافقات' کے مصنف علامہ شاطبیؒ پیدا ہوئے، ابن عبد البرؒ پیدا ہوئے، ایسے ہی بہت سی کتابوں کے مصنف پیدا ہوئے، اور موطا کی ایسی شرحیں لکھی گئیں، لیکن ایک چیز سے اغماض برتا گیا، وہ یہ کہ وہاں کی اصل آبادی جو آٹے میں نمک کے برابر تھی، اپنی پوری سلطنت و اقتدار کے باوجود سنجیدگی کے ساتھ اس کو اسلام سے مانوس کرنے اور اسلام کے دائرے میں داخل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، اس لیے کہ اقتدار میں اکثر یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ ہمارے نام اس زمین کا پٹہ لکھ دیا گیا ہے، مغلیہ سلطنت کے فرامین میں یہ لفظ ملتا ہے کہ "دولتِ ابد قرار" یعنی ہم براہِ راست حضرت اسرافیلؑ کو اس ملک کا چارج دیں گے، اور اس وقت تک کوئی خطرہ نہیں ہے، یہ اس کا غلط خیال تھا، اس پھیلی ہوئی آبادی کو اپنے حال پر چھوڑ دینا، اور اس کے جذبات کو غلط تعلیم کے ذریعہ، غلط تاریخ کے ذریعہ، اپنی اخلاقی کمزوریوں کے ذریعہ، اس سے بڑھ کر مقابل سیاسی تحریکوں کے ذریعہ نشو ونما پانے کا موقع دینا بہت خطرناک ہے۔

ہندوستان میں تو یہ عنصر زیادہ واضح طور پر ہے، مسلمانوں نے ہندوستان پر آٹھ سو سالوں تک علی الرغم حکومت کی ہے، اور جب اخیر میں تصادم اور متضاد سیاسی تحریکیں چلی ہیں، اور انھوں نے غیر مسلموں کے دل میں بڑے بڑے ناسور پیدا کر دیے ہیں، اب اس کو 'پیام انسانیت' کے

ذریعہ ہی ختم کیا جا سکتا ہے، اس کو میں نے بہت اختصار سے بیان کیا ہے، اس پر پورا لٹریچر تیار ہو گیا ہے، آپ اس کا مطالعہ کریں۔

علوم دینیہ کی بقا کی کوشش اور زمانہ کے ساتھ ان کی تطبیق

چوتھا اور آخری محاذ علوم دینیہ کے بقا کی کوشش کرنا اور زمانے کے ساتھ ان کو تطبیق دینا ہے، اس طرح نہیں کہ زمانہ کے تابع ہوں، بلکہ زمانہ کے جائز اور واجب تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے، اور اس کی زبان و ادب کی رعایت کے ساتھ علوم دینیہ کو زندہ رہنے اور اپنا کام کرنے، اور زمانہ کا نہ صرف ساتھ دینے، بلکہ اس کی قیادت کرنے کے قابل بنائیں، اس کے لیے عربی مدارس تو ریڑھ کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کو ترقی دیں، اور ان کے لیے اساتذہ تیار ہوں، ندوۃ العلماء کے ملحق مدارس کو اپنی پچاس ساٹھ سے متجاوز تعداد ہونے کے باوجود اساتذہ نہیں ملتے، آپ اس کے لیے بھی تیار ہوں، نئے مدارس قائم کریں، علوم دینیہ میں نئی زندگی اور تازگی پیدا کریں، صرف یہ نہیں کہ آپ فرسودہ چیزوں کو فرسودہ اور بوسیدہ چیزیں سمجھ کر پڑھائیں، بلکہ ان میں نئی روح، نئی توانائی پیدا کریں، تصنیفات نئی ہوں، تشریحات نئی ہوں، نئی ترجمانی ہو، نئی قوتِ تدریس ہو، نیا ذوقِ تعلیم ہو اور نئی ذہنی صلاحیت، اور اس کے ساتھ ذکاوت، حافظہ اور مطالعہ کی وسعت ہو۔

یہ چار چیزیں جو میں نے اختصار سے بیان کی ہیں، ان کی طرف توجہ کرنا نہایت ضروری ہے۔

طلبہ سے متعلق چار باتیں

اور اب وہ چار چیزیں بیان کرتا ہوں جو آپ کی ذات سے متعلق ہیں، انہیں آپ سرسری نہ سمجھیے گا، یہ ہزاروں صفحات کے مطالعہ کا نچوڑ ہے، اگرچہ خود ستائی ہے، اور اس میں کوئی فضیلت نہیں ہے، محض اپنی بات میں اہمیت پیدا کرنے کے لیے کہتا ہوں کہ بہت کم لوگوں کو علمائے سلف اور علمائے معاصرین اور درمیانی دور کے علماء، خاص طور پر ہندوستان کے علماء کے تراجم

پڑھنے کا اتنا موقع ملا ہوگا جتنا مجھے ملا ہے، اور اس کے خاص اسباب تھے، کیونکہ میں ایک تاریخی ماحول اور مؤرخین کے گھرانے میں پیدا ہوا، اور گھر میں سارا خزانہ موجود تھا۔

"نزھۃ الخواطر" جس میں ساڑھے چار ہزار سے زائد علمائے ہند کے تراجم ہیں، اس کو میں نے کئی بار پڑھا، مسودہ کے مرحلہ سے لے کر طباعت کے بعد تک ہر مرحلہ میں کئی بار پڑھتا رہا، اسی طرح 'وفیات الاعیان' اور طبقات کی جو کتابیں ہیں سب پڑھیں، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کی خدمت میں رہنے کا موقع بھی نصیب فرمایا۔

اللہ کے ساتھ اپنا معاملہ درست رکھیے!

①:- سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست ہو کسی درجہ میں تقویٰ، دیانت داری اور تعلق مع اللہ ہو، یا اس کی فکر ہو، یہ ایسی بنیادی بات ہے کہ جس کے بغیر نہ کسی کام میں برکت ہوتی ہے نہ حرکت، اور ایسا حقیقی نفع اسی وقت ہوگا جب خدا اور رسول ﷺ کے ساتھ معاملہ درست ہو۔

میں یہ نہیں کہتا کہ آپ سب کے سب شب بیدار بن جائیں، صوفی اور عارف باللہ ہو جائیں، یہ ہر شخص کے لیے ضروری نہیں، لیکن جو ضروری حصہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک حد تک تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صحیح ہو اور اس کی فکر ہو، اور اپنی نمازوں کی فکر ہو، دعا کا ذوق ہو، اور اِنابت اِلی اللہ کسی نہ کسی درجہ میں ضرور ہو، یہ سب سے اہم اور بنیادی چیز ہے، اسے کبھی بھولنا نہیں چاہیے، اور اس کے حصول کے بہت سے ذرائع ہیں، ان میں سے ایک تو یہی ہے کہ کتاب وسنت اور فقہ کا مطالعہ کریں، اور اس کے مطابق اپنی نمازوں کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔

بزرگان دین کے حالات پڑھیں!

اس کے علاوہ سب سے مؤثر چیز یہ ہے کہ بزرگان دین کے حالات پڑھیں، اور اگر اللہ تعالیٰ نصیب کرے تو کسی بزرگ کی صحبت اختیار کریں، میں تو بے تکلف کہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں سب

سے بہتر اور مفید حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ) کی کتابیں، خاص طور سے ان کے ملفوظات و مواعظ ایک اچھا اثر رکھتے ہیں۔ میں نے الحمدللہ ساری ندویت، اپنے تمام ادبی ذوق اور تاریخی بلکہ انتقادی ذوق کے ساتھ ان سے فائدہ اٹھایا ہے، اور آپ کو بھی مشورہ دیتا ہوں کہ اس سے آپ کو اپنی جاہ طلبی، حبِّ مال اور معاملات میں کوتاہی کا علم ہوگا، اور خاص طور پر اخلاق کی اصلاح، اجتماعی کاموں کی اہمیت پر ان کے یہاں بڑا زور دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان سے یہ کام لیا ہے، آپ اس کی طرف ضرور توجہ دیں، آپ کے اندر اس کی کوئی مقدار ضرور ہونی چاہیے۔

زہد و ایثار

(۲):- دوسری چیز یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ میں، خاص طور پر اس کی دعوت و عزیمت کی تاریخ اور اس کی اصلاحی تحریکوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ عہدِ نبوی سے لے کر آج تک علم اور نفع خلائق کا، اصلاح و انقلابِ حال کا اور زہد و ایثار کا ساتھ رہا ہے، یہ دونوں بالکل ہم سفر ہیں، آپ اسلام کی پوری تاریخ کا جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ ان دونوں کا کہیں ساتھ نہیں چھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے ذریعہ امت کو نفع پہنچایا، اور کسی بڑے فتنہ سے محفوظ فرمایا، ان میں سب سے بڑا فتنہ "ردت" کا فتنہ تھا، اور دوسرا فتنہ خلق قرآن کا تھا، جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے:

نَصَرَ اللهُ هٰذِهِ الْاُمَّةَ - يا- أَعَانَ اللهُ هٰذِهِ الْأُمَّةَ بِأَبِي بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ يَوْمَ الرِّدَّةِ وَبِأَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ يَوْمَ الْفِتْنَةِ

اور اس کے بعد جو فلسفے کے حملے تھے، جن کے مقابلہ کے لیے جو لوگ آئے، امام غزالیؒ ہوں یا امام ابو الحسن اشعریؒ ہوں، پھر اس کے بعد جو فتنے تھے ان کے مقابلہ کے لیے امام ابن تیمیہؒ وغیرہ آئے، پھر ہندوستان میں صوفیائے کرام جنہوں نے مادیت و غفلت اور سلطنت کے اثر سے جو جاہ پرستی، دولت پرستی اور نفس پرستی پیدا ہو گئی تھی، اس کو روکا، پھر اس کے بعد غیر مسلموں کے

اثر سے اسلامی معاشرے میں جو بدعات، مشرکانہ عقائد داخل ہو گئے تھے، اور وحدۃ الوجود کا جو اثر فلاسفہ اور صوفیوں سے لے کر ادباء اور شعراء تک کے دماغوں میں سرایت کر گیا تھا۔ اس کے مقابلے کے لیے حضرت مجدّد الف ثانیؒ آئے، پھر اس کے بعد قرآن مجید کے براہِ راست مطالعہ اور حدیث سے اشتغال نہ ہونے کی وجہ سے جو ایک جاہلیت ہندیہ اور مقامی اثرات تھے، اور اتباعِ سنّت کا جو ذوق کم ہو گیا تھا، اور عقیدہ میں رخنہ پڑ گیا تھا، اس کے سدباب کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے اخلاف وخلفاء کو اللہ تعالیٰ نے تیار کیا۔

غرض کہ پوری تاریخ بتاتی ہے کہ اصلاح کا کام، عزیمت کا کام اور سطح سے بلند ہو کر امت کے نفع کا کام اور زہد وایثار، دونوں میں اللہ تعالیٰ نے کوئی فطری اور طبعی رشتہ قائم کر دیا ہے جو اسلام کی پوری تاریخ میں ٹوٹنے نہیں پایا۔

بڑے مقاصد کے لئے خود کو تیار کریں!

اس لیے میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اس کے لیے بھی آپ اپنے کو تیار کریں، کیوں کہ دوسری قوموں میں بھی کوئی کام زہد وایثار کے بغیر نہیں ہوا ہے، اگرچہ ان کے مزاج الگ، ان کے نتائج مختلف اور ان کے احکام بھی دوسرے ہیں، اس لیے اپنے آپ کو ارزاں فروشی سے بچائیں، صرف دولتِ دنیا کو اور عہدوں کو اپنا مطمحِ نظر نہ بنائیں، جہاں سے کام آجائے، مانگ آجائے، اور امید ہو جائے، بس آپ آنکھ بند کر کے چلے نہ جائیں اور زہد وایثار سے کام لیں، اسی زہد وایثار کے تذکرے سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے، اس وقت نہ میں استیعاب کر سکتا ہوں اور نہ آپ کو ضرورت ہے۔

پوری تاریخ شاہد ہے کہ زہد وایثار سے جو حقیقی آسودگی اور صحیح عزت حاصل ہوتی ہے وہ کہیں نہیں حاصل ہوتی ہے، اور یہی اصل مقصد ہے جو لاکھوں کروڑوں روپے کے مالک کو بھی حاصل نہیں ہے، وہ ایک لقمہ کو حلق سے اتارنے کے لیے بعض اوقات ترستے ہیں، ہنری فورڈ کہتا تھا کہ

میری ساری دولت لے لو اور میرا ہاضمہ درست کر دو، اور اس قابل بنا دو کہ میں کچھ کھا پی سکوں، حقیقی ضرورت کا سہولتوں اور عزت کے ساتھ پورا ہونا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوتا ہے۔

اگر غیر مناسب بات نہ ہوتی تو میں بتاتا کہ میں اور میرے بعض رفقاء کو محض بزرگوں اور اپنے مربیوں کے فیض سے اور جو کتابوں میں پڑھا تھا، اس کے اثر سے اللہ تعالیٰ نے بچالیا، تو آج ہم اس قابل ہیں، ورنہ معلوم نہیں کسی یونیورسٹی یا کسی کالج میں ریٹائر ہو چکے ہوتے، اور تھوڑی بہت پنشن وغیرہ جو ملتی ہے ملتی ہوتی، اور اپنے قصبہ میں بیٹھے زندگی کے دن گزار رہے ہوتے، لیکن ہمیشہ ایسے موقعوں پر بزرگوں کے واقعات سامنے ہوتے ہیں، ان میں سے مولانا عبدالرحیم صاحبؒ کی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں، جس کی نظیر شاید مشکل سے ملے گی۔

مولانا عبدالرحیم رامپوریؒ کا واقعہ

والد صاحب مرحوم نے "نزہۃ الخواطر" میں مولانا نجم الغنی صاحب رام پوریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مولانا عبدالرحیم صاحبؒ معقولات کے اور ریاضیات کے بہت بڑے ماہر تھے، وہ قدیم درس پڑھاتے تھے اور انہیں ریاست رامپور سے دس روپے ماہانہ ملتے تھے، ان کی اپنے فن میں قابلیت کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی، جب بریلی میں پہلی مرتبہ کالج قائم ہوا تو اس کے پرنسپل مسٹر ہاکنس نے ان کو آفر (پیش کش) کی کہ آپ بریلی کالج میں آئیے اور ڈھائی سو روپے آپ کی تنخواہ ہوگی، تو انھوں نے بڑی سادگی سے جواب دیا کہ ریاست سے مجھے دس روپے ماہوار ملتے ہیں، وہ بند ہو جائیں گے، ہاکنس نے کہا کہ میں تو اس وظیفہ سے پچیس گنا زیادہ پیش کرتا ہوں، اس کے مقابلہ میں اس حقیر رقم کی کیا حیثیت ہے؟ انھوں نے عذر کیا کہ میرے گھر میں بیری کا ایک درخت ہے، اس کی بیری بہت میٹھی اور مجھے مرغوب ہے، بریلی میں وہ بیری کھانے کو نہیں ملے گی، اس نے کہا کہ رام پور سے بیری کے آنے کا انتظام ہو سکتا ہے، آپ بریلی میں گھر بیٹھے اپنے درخت کی بیری کھا سکتے ہیں، مولانا نے فرمایا کہ ایک بات یہ بھی ہے کہ میرے طالب علم جو

رام پور میں درس لیتے ہیں، ان کا درس بند ہو جائے گا، اور میں ان کی خدمت سے محروم ہو جاؤں گا، انگریز کی منطق نے اب بھی ہار نہیں مانی، اس نے کہا کہ میں ان کے وظائف مقرر کرتا ہوں تاکہ وہ بریلی میں آپ سے اپنی تعلیم جاری رکھیں اور اپنی تکمیل کریں، آخر میں انھوں نے اپنی کمان کا آخری تیر چھوڑا جس کا انگریز کے پاس کوئی جواب نہ تھا، مولانا نے فرمایا کہ یہ سب صحیح ہے، لیکن آپ یہ بتایئے کہ کل قیامت میں خدا یہ سوال کرے گا کہ تم رامپور چھوڑ کر بریلی اس لیے گئے تھے کہ یہاں دس روپے ملتے تھے اور وہاں ڈھائی سو روپے ملیں گے، تو میں اس کا کیا جواب دوں گا؟ انگریز بہر حال انگریز تھا، اس نے کہا کہ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

زہد و استغناء کی مثالیں آج پھر زندہ ہونی چاہئیں!

میرے عزیزو! میں تم سے صاف کہتا ہوں کہ ایسی مثالیں پھر زندہ ہونی چاہئیں، اللہ کا فیصلہ ہے اور اس کی سنت ہے، سارے آسمانی صحیفے بتاتے ہیں، انبیاء (علیہم السلام) کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے، اور مصلحین کی تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو عزت، سکونِ قلب اور روحانی سرور عطا فرماتا ہے، اور اس کے ساتھ جو برکت ہوتی ہے، وہ سب زہد و ایثار پر موقوف ہے، اور اب پھر وہ دور آگیا ہے، خاص طور سے ہندوستان کے حالات اس زہد و ایثار کے طالب ہیں، یہ بہت بری روایت شروع ہوگئی ہے کہ جہاں زیادہ پیسے ملیں، جہاں زیادہ آسودگی حاصل ہو، اور جہاں اپنے خاندان کی آسانی سے پرورش کرسکیں، وہیں جانا چاہیے، یہ بہت بڑی آزمائش ہے، اس سے بچنے کی دعا مانگنی چاہیے۔

جمہور اہل سنت کے مسلک سے کبھی نہ ہٹیے گا!

(۳):- تیسری بات جو بہت تجربہ کی ہے، وہ یہ ہے کہ میں نے بھی کتابیں پڑھیں ہیں، اسلام کے مذاہبِ اربعہ اور ان سے باہر نکل کر تقابلی مطالعہ کیا ہے، ان تمام کے مطالعے کے نچوڑ میں ایک گُر کی بات بتاتا ہوں کہ جمہور اہلِ سنت کے مسلک سے کبھی نہ ہٹیے گا۔

اس کو لکھ لیجیے! چاہے آپ کا دماغ کچھ بھی بتائے، آپ کی ذہنیت آپ کو کہیں بھی لے جائے، کیسی ہی قوی دلیل پائیں، جمہور کے مسلک سے نہ ہٹیے گا، اللہ تعالیٰ کی جو تائید اس کے ساتھ رہی ہے، جس کے شواہد و قرائن ساری تاریخ میں موجود ہیں، ۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس دین کو باقی رکھنا تھا، اور باقی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی اصلی حالت پر قائم رہے، ورنہ بدھ مذہب کیا باقی ہے، عیسائیت کیا باقی ہے؟؟ عیسائیت کے بارے میں قرآن کا وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہنا ایک معجزہ ہی ہے، یعنی وہ پٹری سے بالکل ہٹ چکی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے چونکہ اس دین اسلام کے بارے میں فرمادیا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿٩﴾ (الحجر، پ ۱۴)

اور اس کے ساتھ جو تائید ہے، جو قوی دلائل ہیں، جو سلامتِ فکر اور سلامتِ قلب ہے، اس کے ساتھ جو ذہین ترین انسانوں کی محنتیں اور غور وخوض کے نتائج ہیں، اور ان کا جو اخلاص ہے، اور ذہن سوزی ہے، وہ کسی مذہب کو حاصل نہیں ہے۔

یہ وہ بات ہے جو ہمارے اور آپ کے استاذ مولانا سید سلیمان ندوی ؒ نے اپنے بعض شاگردوں سے کہی، جیسا کہ مولانا اویس نگرامی صاحب نقل کرتے تھے، اور سید صاحب ؒ سے ان کے استاذ مولانا شبلی ؒ نے کہی تھی، بعض لوگ چمک دمک والی تحریر پڑھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں:

{ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ } (سورۃ البقرۃ ۲۰۴، پ ۲)

کہیں علمائے سلف کا مذاق اڑاتے ہیں، کہیں مفسرین ان کے تیر کا نشانہ بنتے ہیں۔

لہذا مسلک جمہور سے اپنے کو وابستہ رکھیے، اس کا بڑا فائدہ ہوگا، اللہ کی خاص عنایت ہوگی، اس کی نصرت و برکت ہوگی، اور حسنِ خاتمہ بھی ہوگا۔

یہ باتیں ہیں جن کو شاید زیادہ مؤثر طریقہ سے نہ کہہ سکا، لیکن آپ انھیں حقائق سمجھیں، اور یہ مطالعہ اور تجربہ کا ماحصل ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان باتوں تک پہنچا ہوں، اور آپ تک

بطورِ امانت اور وصیت منتقل کرتا ہوں۔

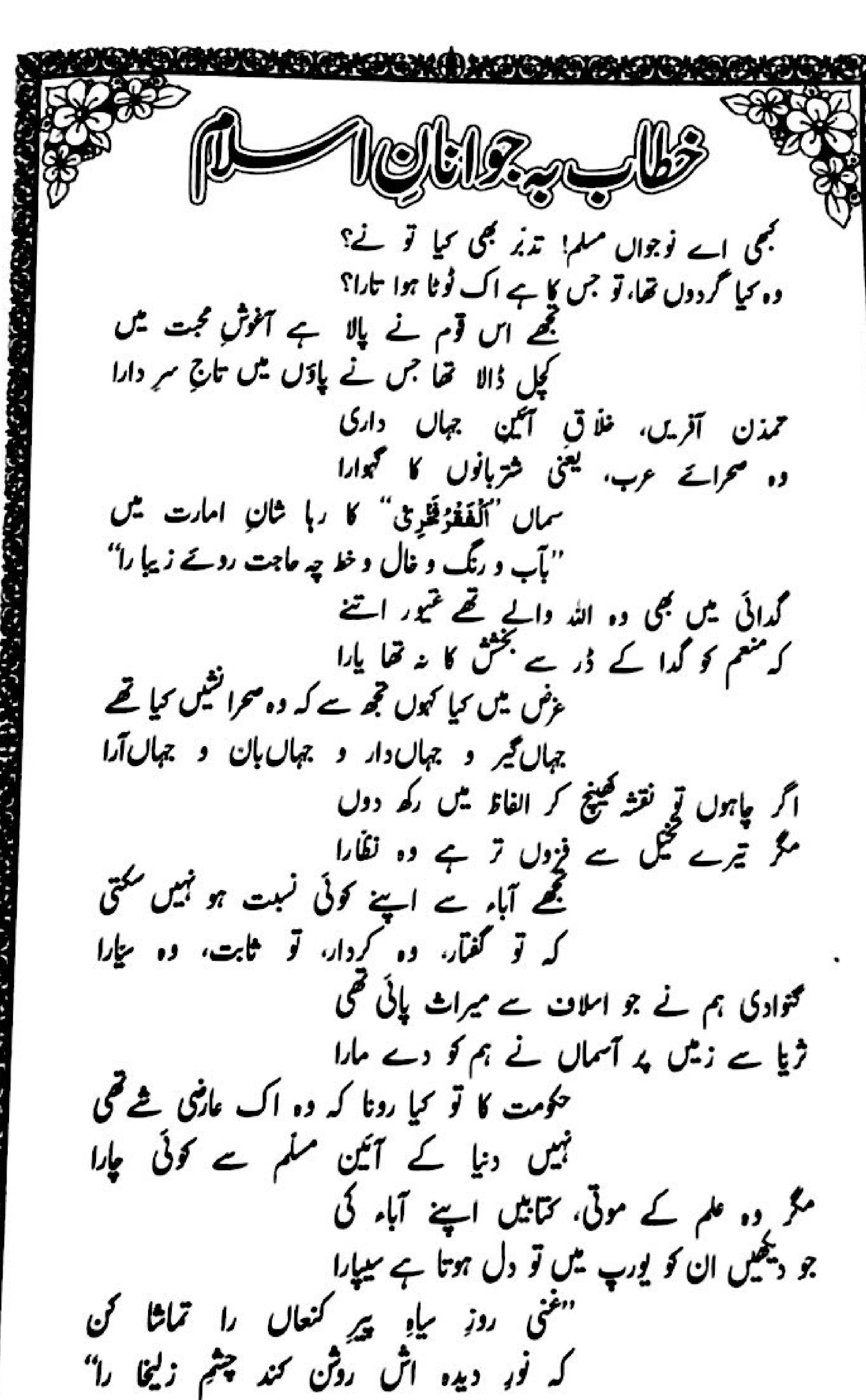
علم سے ہمیشہ اشتغال رکھیں!

۴:- اور آخری بات یہ ہے کہ علم سے اپنا اشتغال رکھیے، اپنے کو کبھی فارغ التحصیل نہ سمجھیے، ہمیشہ نئی اور پرانی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہیے، خواہ آپ کہیں رہیں، قرآن مجید کی تفسیریں، حدیث شریف کی شرحیں، تاریخ کی کتابیں، اور جو کتابیں علم کلام پر، اور صحیح عقائد کو پیش کرنے کے لیے صحیح طریقہ پر لکھی گئی ہیں، ان سب سے آپ کا ربط رہے، اور ان کا ہمیشہ مطالعہ کرتے رہیں، اور اپنے مرکز سے برابر تعلق قائم رکھیے۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِینَ

بحمد اللہ تم



خطاب بہ جوانانِ اسلام

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟
وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا؟
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

تمدن آفریں، خلاقِ آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب، یعنی شتربانوں کا گہوارا
سماں "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ" کا رہا شانِ امارت میں
"بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را"

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا
تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا
"غنی روزِ سیاہِ پیرِ کنعاں را تماشا کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را"

(کلیاتِ اقبال۔ بانگِ درا حصہ سوم۔ ص ۱۳۵۔ مطبوعہ: شیروانی آفسٹ پرنٹرز، دہلی-۶۔ ناشر: کتب خانہ حمیدیہ، گومیا سٹریٹ دہلی)